وہ یہ تھا کہ ان میں مجرمانہ عزت نفس بالکل نہ تھا (جو بدقسمتی سے ہندوؤں میں پایا جاتا ہے) کوئی ان پر "اعتراض" بھی کرتا تو بالکل بُرا نہ مانتے۔ ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور میٹھے انداز سے جواب دیتے۔"

(اورنگ سلیمان ص۱۵ شائع کردہ مجلس علوم اسلامیہ کراچی ۱۹۸۵ء)

مذکورہ بالا شواہد کے بعد قیاسی مفروضات کی جو حیثیت رہ جاتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن قارئین کی اطلاع و معلومات کے لیے بعض وضاحتیں پیش خدمت ہیں۔

حضرت اقدس سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی ۱۹۰۷ء تا ۱۹۱۱ء ماہنامہ الندوہ لکھنؤ کے وقفہ وقفہ سے نائب مدیر رہے۔ مئی ۱۹۱۳ء سے اکتوبر ۱۹۱۳ء تک الہلال کلکتہ سے وابستہ رہے ۱۹۱۳ء کے آخر میں اپنے استاد علامہ شبلی نعمانی مرحوم کی خواہش پر پونا کالج میں عربی و فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوئے۔ تقریباً ایک سال کے بعد نومبر ۱۹۱۴ء میں علامہ شبلی مرحوم نے سید صاحبؒ کو پونا سے تار دے کر بلوایا اور سیرت النبی کا کام ان کے سپرد فرما کر ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرما گئے۔ استاد کے حکم کی تعمیل میں دارالمصنفین کی مسند پر بیٹھے اور کامل ۳۰-۳۲ سال تک زیب دہ مسند رہے اور اس ادارے کو زندہ اور متحرک رکھا۔ اگر سید صاحبؒ جاہی و مالی ایثار اور استقامت سے کام نہ لیتے تو دارالمصنفین کا وجود اور اس کی عالمگیر شہرت کیسے قائم ہوتی — (معلوم نہیں ایک جگہ ٹکنا اور دلجمعی سے کام کرنا کسے کہتے ہیں۔ ۳۰-۳۲ سال کی مدت معمولی نہیں ہے) اس کے ۱۹۴۶ء میں سید صاحب منصب قضا پر بھوپال تشریف لے گئے اور ۱۹۴۹ء تک وہاں رہے۔ جب ریاست ہی نہ رہی اور دارالقضا کی حیثیت ختم ہو گئی تو ترک کے سوا کیا چارہ تھا۔ اسے علامہ سید سلیمان ندوی رح کی تلون مزاجی پر محمول کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ یہ تو "غبار خاطر" قسم کی کوئی چیز ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی جگہ "شیخ الاسلامی" کی تمنا کا الزام بھی قریبی دور کی تاریخ سے عدم واقفیت کے باعث ہے۔ مولانا عثمانی رح نے تو بکمال

لیے نفسی حکومت پر زور دیا تھا کہ دستور سازی کے لیے پاک و ہند میں سوائے
علامہ سلیمان کے کوئی نہیں اس لیے بورڈ تعلیمات اسلامی جس کی تشکیل مولانا
شبیر احمد عثمانی رح کی ہدایت پر ہو چکی تھی اس کا صدر خود مولانا عثمانی مرحوم نے
علامہ سلیمان ندوی رح کو تجویز کیا تھا۔ حکومتِ پاکستان کا اصرار البتہ اس وقت بڑھا
جب خود مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی رحلت ہو گئی۔ علاوہ ازیں پاکستان میں "شیخ الاسلام"
کا کوئی منصب نہیں تھا۔ آج بھی نہیں ہے۔ اہلِ پاکستان نے مولانا شبیر احمد عثمانی رح
کو ان کی مخلصانہ خدمات، تقدس اور دینی مقام کے پیشِ نظر از راہِ عقیدت شیخ الاسلام
کا لقب دیا تھا جیسا کہ قائد اعظم کے دستِ راست لیاقت علی خاں کو قائدِ ملت کا
خطاب دیا گیا تھا۔ بنا بریں شیخ الاسلامی کی تمنا کا مفروضہ سوءِ ظن سے زیادہ حیثیت
نہیں رکھتا۔ اگر سوءِ ظن نہیں تو ثبوت محکم چاہیئے مگر وہ ہے کہاں؟

آخر میں راقم عاجز یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ پاک و ہند کے اربابِ علم اور اہلِ
فضل و کمال اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ حقائق و معارف اور علم و تحقیق میں
علامہ سید سلیمان ندوی رح کا پایہ اپنے عصر کے علماء میں بہت بلند ہے اور ان کی
تصانیف برصغیر سے باہر عرب دنیا اور مغرب میں بنگاہ تحسین دیکھی جاتی ہیں —
حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سراعتبار سے ایک کامیاب زندگی گزاری ہے۔ شکوریت
اور دیباریت ان کی ذات کے جوہر ہیں۔ الندوہ، الہلال، پونا میں عربی فارسی کی
تدریس، دارالمصنفین کی مسندِ علم، مرشد تھانوی سے بیعت اور عطائے خلافت،
ریاست بھوپال کی مسند قضا اور پاکستان میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو اکٹھا
کر کے ایک متفقہ دستوری خاکہ کی تیاری یہ سب سید صاحب علیہ الرحمہ کی حیات
ناسوتی کے تکمیلی مراحل ہیں اور ایک منتسب سلسلہ کی حیثیت سے اس احقر
بے مایہ کو یقین ہے کہ سید صاحب قدس سرہ اس عالم میں جسے برزخ کہتے ہیں
ہر آن آگے بڑھائے جا رہے ہیں یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بلندیٔ درجات کا
سفر جاری ہے ؎ ز شش ستارہ جویم ز ستارہ آفتابی
سرِ منزلی نہ دارم کہ بمیرم از قراری

# فتنوں کی نئی فصل

(از مولانا محمد یوسف بنوری)

حق تعالیٰ جل ذکرہٗ نے امت محمدیہ کے لیے جس ہادی و رسول کا انتخاب فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رحمۃ للعالمین بنایا۔ اس رحمت کا ظہور بہت سی شکلوں میں ہوا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام امت۔ خواہ وہ دعوت محمدیہ کے سایہ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ اس رحمت عامہ کی بدولت عام عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگئی۔ پہلی امتوں پر طرح طرح کے عذاب عام نازل ہوئے جن سے پوری پوری امتیں تباہ و برباد کر دی گئیں۔ بعض کو بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ کر دیا گیا۔ بعض پر آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ بعض کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ بعض کو طوفان کی نذر کر دیا گیا اور بعض کو سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان سے محفوظ رکھا۔

صحیح بخاری وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :-

| | |
|---|---|
| قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ | تو کہہ اس کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم |
| عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ | پر عذاب اوپر سے (جیسے پتھر برسنا یا طوفانی |
| تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ | ہوا اور بارش یا تمہارے پاؤں کے نیچے |
| شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ | سے (جیسے زلزلہ اور سیلاب وغیرہ) یا |
| بَعْضٍ (الانعام ع ۸) | بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے |
| | ایک کو لڑائی ایک کی (ترجمہ شیخ الہند) |

جس میں تین قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ آسمانی عذاب، زمین کا عذاب اور باہمی اختلاف کا عذاب۔ تو رسول اللہ علیہ وسلم نے پہلی قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی اور وہ قبول ہوئی۔ پھر دوسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا کی اور وہ بھی قبول ہوئی۔ جب تیسری قسم کے عذاب سے نجات کی دعا فرمائی تو قبول نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کا آپس کا اختلاف و نزاع ہوگا۔

اس اختلاف کی صورتیں مختلف رہی ہیں۔ یہ کبھی باہمی خانہ جنگی اور قتل و قتال کی صورت

میں ظاہر ہوا۔ کبھی باہمی نزاع وجدال کی صورت میں نمودار ہوا، کبھی شقاق وافتراق کے راستے سے آیا اور کبھی بدظنی و بدگمانی، طعن وتشنیع اور لعنت وملامت کی صورت میں ابھرا۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس امت پر فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ حرّہ، واقعہ دیر الجماجم، واقعۂ کربلا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت وغیرہ اسی دردناک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ بہرحال اس امت میں ابتدا ہی سے فتنوں کا دور شروع ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں فتنوں کا دور کم وبیش برابر جاری رہے گا۔ فرق یہ ہے کہ دور اوّل میں عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے امت کا ایمان قوی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شدید ترین اختلاف اور جدال وقتال کے باوجود دور اوّل کے تمام فتنے امت کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کا ایمان اپنی جگہ قائم وراسخ رہا۔

سب سے بڑا اور خطرناک فتنہ وہ ہوتا ہے جس سے زوال ایمان کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ اگرچہ اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے وہ معمولی معلوم ہوتا ہو۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کا سب سے بڑا فتنہ دجال لعین کا ہوگا جو خدائی کا دعویٰ کرے گا اور ہر قسم کے دجل و فریب سے لوگوں کے ایمان کو غارت کرے گا۔ یہ فتنہ اگرچہ قیامت کے بالکل قریب ہوگا اور قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہوگا۔ تاہم اس کی شدت واہمیت کی بنا پر ہر نبی ورسول نے اپنی اپنی امتوں کو اس فتنہ سے ڈرایا اور اس کے ایمان سوز نتائج وعواقب سے آگاہ کیا۔ مگر چونکہ اس فتنہ کا ظہور امت محمدیہ کے عہد میں ہونا تھا اور اس فتنہ کبریٰ سے براہ راست اسی امت کا تعلق تھا۔ اس لئے حضرت رسالت پناہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وصراحت کے ساتھ اس سے ڈرایا اور اس کی واضح علامتیں بیان فرمائیں تاکہ ہر شخص دجالی فتنہ کو پہچان سکے اور امت گمراہی سے بچے۔ الغرض زوال ایمان کا فتنہ تو سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور اس کا ظہور بھی امت کے بالکل آخری دور میں ہوگا لیکن اس کے علاوہ ہر دور میں جن فتنوں کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ وہ اعمال و اخلاق، بدعت والحاد اور تشتت وافتراق کے فتنے ہیں۔

ہمارا یہ دور جس سے ہم گذر رہے ہیں۔ گوناگوں فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ ہر طرف سے مختلف قسم کے فتنوں کی یورش ہے۔ ان میں سب سے زیادہ جن فتنوں سے امت کو واسطہ پڑا ہے وہ اخلاقی وعملی فتنے ہیں۔ عوام زیادہ تر اخلاقی فتنوں میں مبتلا اور بدعملی کے فتنوں کا شکار ہیں۔ فریضۂ نماز میں

تساہل، فریضۂ صیام سے تغافل، فریضۂ حج و زکوٰۃ میں تکاسل وغیرہ وغیرہ۔ عبادات ہوں یا اخلاق، معاملات ہوں یا معاشرت ہر شعبۂ دین میں بدعملی کا دور دورہ ہے اور بہت سے فتنے اس بدعملی کے نتائج ہیں

ملک میں شراب نوشی، عریانی و بے حیائی، فواحش و منکرات، مرد و زن کے مخلوط اجتماعات، مخلوط تعلیم، تھیٹر اور سنیما، ریڈیو اور ٹیلیویژن، زنا اور بدمعاشی، بداخلاقی و بداطواری، لوٹ مار، چوری اور ڈاکہ، رشوت و خیانت، جھوٹ اور بہتان طرازی، غیبت اور چغلی، حرام خوری کی نت نئی صورتیں حرصِ دنیا کی خاطر اشیاء خوردنی میں ملاوٹ۔

کہاں تک شمار کیا جائے۔ بے شمار برائیاں ہیں جو دورِ حاضر میں اس کثرت سے ظاہر ہوئیں کہ پچھلے زمانوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عقل حیران اور انسانی ضمیر انگشت بدنداں ہے کہ یا اللہ! دنیا کیا سے کیا ہو گئی؟ اگر آج قرونِ اولیٰ کے مسلمان زندہ ہو کر آجائیں اور اس دور کے مدعیٔ اسلام مسلمانوں کے اخلاق و عمل کا یہ نقشہ دیکھیں تو خدا جانے کیا کہیں اور ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں: نعوذ باللہ مِنَ الفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَمَا بَطَنَ

بہرحال یہ فتنے اور یہ امراض تو وہ ہیں جن میں زیادہ عوام مبتلا ہیں۔ اب ذرا خواص امت پر بھی سرسری نگاہ ڈالیے۔ یہ حقیقت ہے کہ علماء کرام اس عالم کا دل و دماغ ہیں اور عوام امت بمنزلہ اعضائے انسانی کے ہیں۔ علمائے امت کا مقام وہی ہے جو انسانی جسم میں قوائے رئیسہ۔ دل و دماغ جگر اور گردوں کا ہے۔ اعضائے رئیسہ اپنا کام ٹھیک کر رہے ہوں تو جسم کسی اندرونی مرض کا شکار نہیں ہوتا اور بیرونی آفات و صدمات کے مقابلہ میں پوری قوتِ مدافعت رکھتا ہے۔ عام اعضائے انسانی کا نقص اعضائے رئیسہ کے اختلال کی نشاندہی کرتا ہے اور ظاہر جسم کی خرابی اکثر و بیشتر جسم کی اندرونی قوتوں کی خرابی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح عوام امت میں خرابی زیادہ تر علماء امت کی خرابی و فساد سے ظہور میں آتی ہے۔ جب علماء امت اپنا فرض منصبی ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو عوام میں فساد کے در آنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔

اس جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ خود صحیح ہوں اور ایمان و تقویٰ اور اخلاق و عمل صالح سے آراستہ ہوں اور دوسرا فرض یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہوں اور صراطِ مستقیم کی طرف امت کی راہنمائی کریں اور کسی قسم کا نقص، اعتقادی، اخلاقی یا عملی، امت میں واقع ہو تو اس کے لئے بے چین ہو جائیں اور اس کی اصلاح کے لئے صحیح تدابیر کریں اگر خود ان ہی میں نقص آجائے تو امت کے عوام کا خراب ہونا لازمی۔ اسی طرح اگر وہ اپنے مقام و منصب کو چھوڑ بیٹھیں، دعوت و تبلیغ

اور اصلاح و تزکیہ کی خدمت سے دست کش ہو جائیں اور اصلاح امت کی فکر کو بالائے طاق رکھدیں تو اس کے نتیجہ میں پوری امت فساد اور بدعملی کی لپیٹ میں آجاتی ہے ۔

بہرکیف امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ یہ ہوتا ہے کہ مصلحین امت اپنے فریضۂ منصبی سے غافل ہو جائیں اور جب رفتہ رفتہ یہ مرض یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ علماء امت خود اپنی اصلاح سے بھی غافل اور مختلف امراض اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں امت پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ امت امراض کے انتہائی خطرناک درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور اس وقت کوئی توقع باقی نہیں رہتی کہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح کی کوشش مثمر ہو سکے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات میں اسی کا نقشہ یوں پیش کیا گیا ہے ۔

| | |
|---|---|
| اِذَا رَاَیْتَ ھَوًی مُتَّبَعًا وَّشُحًّا | جب تم دیکھو کہ نفسانی خواہشات کی اتباع |
| مُّطَاعًا وَّدُنْیَا مُؤْثَرَةً وَّاِعْجَابَ | ہو رہی ہے، طبیعت کی حرص قابل اطاعت بن |
| کُلِّ ذِیْ رَاْیٍ بِرَاْیِہٖ | گئی ہے ۔ ہر کام میں دنیا کی مصلحت بینی کا خیال |
| (سنن ابی داؤد) | رکھا جاتا ہے اور ہر شخص کو اپنی رائے پر ناز ہے |
| | اور اپنی رائے کے خلاف ہر بات کو ہیچ سمجھتا ہے ۔ |

جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اپنی فکر کرنی چاہیے ۔ دنیا کی اصلاح کی فکر ختم کر دینی چاہیے ۔ یا یہ کہ تبلیغی فریضہ ساقط ہو جاتا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ انتہائی اولوالعزمی سے کام لیا جائے اور اس وقت بھی میدان میں آکر اس خدمت کو انجام دیا جائے ۔ بہرحال جب حالات اتنے مایوس کن ہوں تو قدم کو جادۂ دعوت و اصلاح سے نہیں ہٹنا چاہیے

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعت میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے :

۱- **مصلحت اندیشی کا فتنہ** | یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے ۔ کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں ۔ اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی ہیں ۔

۲- **بزدلعزیزی کا فتنہ** | جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی ہم سے ناراض نہ ہو سب خوش رہیں اس فتنہ کی اصل حب جاہ ہے ۔

۳۔ اپنی رائے پر جمود و اصرار | اپنی بات کو صحیح و صواب اور قطعی و یقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخورِ اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فی صد غلط اور باطل۔ یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں۔ کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی۔ نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں۔ صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴۔ سوءِ ظن کا فتنہ | ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں۔ ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں۔ اس کا منشا بھی عُجب و کبر ہے۔

۵۔ سوءِ فہم کا فتنہ | کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سُن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے۔ مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہو، کیا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ اور اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ[1] کے نصوص مرفوع العمل ہو چکے ہیں؟

۶۔ بہتان طرازی کا فتنہ | مخالفین کی تذلیل و تحقیر کرنا بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کر دی۔ بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل و مجالس کی زینت بنانا ہے۔ بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا کیا نصِ قرآنی اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا الآیۃ[2] کے خلاف نہیں؟

۷۔ جذبۂ انتقام کا فتنہ | کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت و نفرت یا بدگمانی ہے لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا موقعہ مل جاتا ہے۔ طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بے چارگی و

---

[1] بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

[2] اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو۔